

رویت ہلال علم ہیئت کے نقطہ نظر سے

ایک اور ماہر فن کی تصریحات

(۳)

سوال۔ اگر رویت کی قطعی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تو اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ جیسا کہ گذشتہ جواب سے معلوم ہوا، رویت کی قطعی پیش گوئی صرف اُس علاقے کے لیے نہیں کی جاسکتی جو "غیر یقینی منطقے" میں پڑ رہا ہو۔ اس کا بنیادی سبب موسمی حالات اور فضائی کیفیات پر مشتمل مختلف غیر یقینی عوامل ہیں۔ چنانچہ مشرقی پاکستان جیسے کسی چھوٹے علاقے کے لیے، جو کسی ماہ غیر یقینی منطقے میں پڑ رہا ہو، رویت یا عدم رویت کی قطعی پیش گوئی کرنا تقریباً ناممکن ہوگا۔ ایسی پیشگوئی کے لیے مشکل بڑے علاقوں کے تعلق سے بھی اُس وقت پیش آسکتی ہے جب مثلاً منطقہ فاصل کا ابتدائی یا مشرقی نصف حصہ مغربی پاکستان یا ایران کے غریب علاقوں میں پڑے۔ جب ایسی صورت ہوگی تو مغربی پاکستان میں یا ایران میں بھی رویت ہلال کی بابت حتمی طور پر کوئی بات کہنا ناممکن ہوگا۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ رویت کے بجائے اصطلاحی نئے چاند کی پیدائش کو رمضان اور عیدین کی

تاریخیں مقرر کرنے کے لیے بنیاد بنالیا جائے؟

جواب۔ راقم الحروف کی رائے میں یہ صحیح نہیں ہوگا۔ سوال ۱ کے جواب میں اُس آیت کا ذکر کیا جا چکا ہے جس میں ہلالوں کو وقت کی نشانیاں بنایا گیا ہے اور جو عبادات کے لیے قمری مہینوں کے آغاز کی بنیاد ہیں۔ دینِ فطرت کے احکام کی طرح راقم الحروف کی رائے میں اُن سے متعلق تعینات و شرائط بھی مابعد الطبیعیاتی مصالح اور حکمتیں رکھتی ہیں۔ کیونکہ یہ بھی احکام میں شامل ہیں اور ان سے بٹننے کی صورت میں ہم متعلقہ مابعد الطبیعیاتی اثرات سے، جو ہمارے لیے مفید ہیں، محروم ہو جاتے ہیں (اس بارے میں سو النامہ ہدایہ کے جوابوں

کے ختم پر مختصر بحث کی جائے گی۔ دوسرے یہ کہ عیساکہ گزشتہ جواہروں میں بھی بتایا جا چکا ہے، رویت کے لیے مغیر فیضی منطقہ فاضل، ایک نسبتہ محدود عداقہ ہوتا ہے جس کی بعض مرتبہ عملاً کوئی اہمیت بھی نہیں ہوتی، ملاحظہ ہو جواب مثلاً، لہذا ایک مختصر سے علاقے میں نیا چاند دیکھنے کے مناسب انتظامات کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کے بجائے آغاز ماہ کے تعین کے لیے ہلالوں کی رویت کے اصول کو بدناما درست نہیں معلوم ہوتا نیز یہ کہ اگر فلکیاتی نئے چاند کو آغاز ماہ کی بنیاد بنا لیا جائے تو اس کے اطلاق کے لیے بھی وقت کی کوئی معیاری نوبت قائم کرنا ہوگی اور اگر تصور یہ ہے کہ اس طرح سارے عالم میں قمری تاریخیں یکساں ہو سکیں گی تو یہ تصور بھی پورا نہیں ہوگا۔ یہ بات کچھ وضاحت طلب ہے مختلف تقویموں میں تاریخ یا دن کے آغاز کے لیے جس میں دن اور رات دونوں شامل ہوتے ہیں، کوئی نہ کوئی حد فاضل یا معیاری نوبت مقرر کی گئی ہے۔ مثلاً اسلامی تقویم میں دن غروب آفتاب سے غروب آفتاب تک شمار ہوتا ہے۔ ہندو تقویم میں دن طلوع آفتاب سے طلوع آفتاب تک شمار ہوتا ہے۔ اور در حاضر میں دن ہر جگہ رات کے بارہ بجے سے شروع ہوتا ہے۔ لہذا اگر ہم فلکیاتی نئے چاند کو ہی بنیاد بنائیں تو اسلامی تقویم کے عملدرآمد کے مطابق ہمیں اس کے لیے بھی معیاری نوبت غروب آفتاب ہی کے وقت کو بنانا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایسا آغاز ماہ اُس علاقے سے ہوگا جہاں غروب آفتاب کے وقت تک یا اس سے پہلے کہ قمر فلکیاتی نئے چاند کی منزل پر پہنچ جاتے۔ اس صورت میں بھی دنیا کے مختلف مقامات کے لیے بالکل اسی طرح رویت ہلال کے تحت ہوتا ہے، دو قمری تاریخیں ہوں گی یہی صورت اُس وقت بھی ہوگی جب فلکیاتی نئے چاند کے اطلاق کے لیے معیاری نوبت غروب آفتاب کے بجائے طلوع آفتاب کو قرار دیا جائے۔ زمین کی گولائی کی بنا پر اس صورت حال سے مفر نہیں۔ اب اگر یہ کہا جائے کہ کوئی خاص خط فاضل متعین نہ کیا جائے اور محض فلکیاتی نئے چاند کا وقت پیش نظر رکھا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جب نیا ماہ یا نئی قمری تاریخ شروع ہوگی تو کسی جگہ صبح کے دس بجے ہوں گے، کسی جگہ دوپہر کے بارہ بجے کا وقت ہوگا اور اسی طرح دوسرے مقامات پر سہ پہر کے مختلف اوقات ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مثلاً کسی جگہ دن کے دو بجے تک رمضان کی ۳۰ تاریخ ہوگی اور دو بجے سے شوال کی پہلی تاریخ شروع ہوگی۔ اس صورت میں آخری روزے کا کیا ہوگا؟ اگر یہ طے کیا جائے کہ ایسے تمام مقامات کے لیے جہاں کہہ قمر فلکیاتی اصطلاح کا بننا

چاند واقع ہونے کی نوبت پر دن کے کسی وقت بھی پہنچے، صبح ہی سے یا گذشتہ شام سے آغازِ ماہ قرار دیا جائے تو پھر محدثِ فلکیاتی نئے چاند کی بنیاد کہاں باقی رہی؟ اور یہ آخر شریعت کے کس حکم کی پابندی ہوگی؟

فلکیاتی نئے چاند کو آغازِ ماہ کی بنیاد قرار دینے سے پاکستان کے لیے ایک خصوصی مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر ہلالِ آغازِ ماہ کی بنیاد ہو تو ممکن ہے کہ کسی ماہِ خطِ رویت کی ابتدا مغربی پاکستان سے ہونے پر، کسی اجتہاد کے تحت مشرقی پاکستان میں بھی نئے ماہ کا آغاز قرار دیا جاسکے کیونکہ یہ صورت بہر حال نئے چاند کے اس برصغیر کے ایک حصے میں دکھائی دینے کی ہوگی اور دوسرے حصوں کے لیے وہ دکھائی دینے کی منزل کے قریب پہنچ چکا ہوگا لیکن اگر بنیادِ فلکیاتی نیا چاند ہو اور کہہ قرسی شام کو مغربی پاکستان کے انتہائی غربی حصے میں مغرب کے بالکل ڈیڑھ فلکیاتی نئے چاند کی نوبت پر پہنچے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ مشرقی پاکستان میں وہ غروبِ آفتاب کے وقت فلکیاتی نئے چاند کی منزل پر بھی نہیں پہنچا ہوگا بلکہ غروبِ آفتاب سے پہلے غروب ہو چکا ہوگا۔ اس صورت میں مغربی اور مشرقی پاکستان کے درمیان قمری تاریخوں کی یکسانیت قائم رکھنے کا کوئی سوال باقی نہیں رہے گا۔

سوال ۱۳۱۔ کیا یہ صحیح ہوگا کہ اصطلاحی نئے چاند کی پیدائش کے وقت سے حساب لگا کر پیشگی یہ طے کر لیا جائے کہ ہلالِ فلان تاریخ کو طلوع ہوگا بلا لحاظ اس کے کہ اس تاریخ کو علماء رویت ہویا نہ ہو؟ یہ الفاظ دیگر کیا اس کا امکان ہے کہ ہلال کے طلوع کی جس روز پیش گوئی کی گئی ہے اس روز واقعی رویتِ ہلال نہ ہو سکے گی؟

جواب۔ اس سوال کی بابت بھی راقم الحروف کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت درست نہیں ہوگی کیونکہ اس بات کا امکان موجود ہے کہ ہم کسی علاقے کے لیے رویتِ ہلال کی پیش گوئی کریں اور وہاں حقیقتاً رویت نہ ہو۔ اس صورتِ حال سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسلامی ملکوں کی حکومتوں یا مذہبی اداروں کو چاہیے کہ جس طرح وہ اپنے دیگر مذہبی امور کا انتظام و انصرام کرتے ہیں اسی طرح کم از کم تین اہم قمری مہینوں، یعنی رمضان، شوال اور ذی الحجہ کے نئے چاند دیکھنے کے مناسب انتظامات کر لیں۔ یہاں دو تین باتیں واضح طور پر ذہن میں رکھنی چاہئیں: (۱) کسی بھی جہینے اُس علاقے کا آسانی سے تعین کیا جاسکتا ہے جہاں رویتِ ہلال کا غیر یقینی منظرہ پڑتا ہو۔ چنانچہ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہر ماہ تمام اسلامی ملکوں کو یہ انتظامات کرنا ہوں گے

بلکہ صرف اُس علاقے میں ایسا انتظام کرنا ہوگا جہاں غیر یقینی منقطع واقع ہو رہا ہو۔ (ب) کسی ملک کے ایک علاقے میں رویت ہو تو اس کا اطلاق چونکہ سارے ملک پر ہوتا ہے اس لیے بعض مہینوں میں یہ علاقہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ کسی نسبت بڑے ملک کے لیے یقین کے ساتھ رویت کی پیش گوئی کی جاسکے۔ اس صورت میں کسی جگہ بھی کوئی خاص انتظام کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتے گی بلکہ عمل درآمد یہ ہو سکے گا کہ زیر نظر ملک کے مشرق میں رویت منظور نہیں ہوگی اور تحقیقہ بھی نہیں ہوگی اور اس ملک کے مغرب میں ہر جگہ نیا چاند دکھائی دے گا۔ (ج) بعض مہینے ایسے بھی ہوں گے کہ جب رویت یقینی طہر پورا نڈرہیشیا میں یا اس کے مشرق میں ہو جائے گی چنانچہ عالم اسلام میں ہر جگہ نیا چاند دکھائی دیکھا اور اس صورت میں کسی اسلامی ملک میں بھی مذکورہ انتظامات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوگی۔ اس سے واضح ہوا کہ یہ انتظامات نہ ہر ماہ کرنے ہوں گے، نہ ہر ملک میں کرنے ہوں گے اور نہ اتنے وسیع پیمانے پر کرنے ہوں گے کہ ناممکن العمل ہوں۔

سوال ۱۷۱ کیا سطح سمندر سے بلندی یا عرض بلد کے فرق سے رویت پر کوئی اثر پڑ سکتا ہے۔

اگر پڑ سکتا ہے تو اس کی نوعیت کیا ہے ؟

جواب - سطح سمندر سے بلندی اور عرض البلد کے فرق سے رویت پر اثر پڑ سکتا ہے۔ سطح سمندر سے

بلندی (خصوصاً جبکہ کوئی مقام سمندر سے دور بھی ہو) اس معنی میں رویتِ ہلال کے لیے کم سازگار ہو سکتی ہے کہ جہاں فضا خشک ہو یعنی اس میں نمی یا آبی بخارات نہ ہوں یا بہت کم ہوں اور جہاں بادِ پیمانی دباؤ

(BAROMETRIC PRESSURE) کم ہو جیسا کہ بلند مقامات پر ہوتا ہے، وہاں انعطافِ نور

(REFRACTION OF LIGHT) کا مظہرِ افق کے قریب کسی جسمِ فلکی کے دیکھے جانے کے لیے کم سازگار

ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی مقام کی بلندی، بشرطیکہ اس کے اطراف میں پہاڑ یا ایسی ہی دور سری رکاوٹیں نہ ہوں رویت کے لیے حالات کو کچھ سازگار بھی بنا سکتی ہے۔ ان دونوں پہلوؤں کا موازنہ ہر مقام کی اپنی جائے وقوع

اور جغرافیائی ماحول کے لحاظ سے کرنا ہوگا۔ رہے وہ مقامات جو ساحلِ سمندر پر واقع ہوں، تو وہ بڑے بڑے

بادِ پیمانی دباؤ اور آبی بخارات کی وجہ سے انعطافِ نور کی بڑھی ہوئی شرح کی بنا پر رویتِ ہلال کے لیے زیادہ

سازگار ہو سکتے ہیں۔

عرض البلد کے فرق سے بھی رویت متاثر ہو سکتی ہے کیونکہ اس فرق کی بنا پر ایک ہی طول البلد میں مختلف عرض البلد والے مقامات پر طلوع و غروبِ آفتاب کے اوقات میں فرق پڑے گا اور اس چیز پر مہسوں کی تبدیلی اثر انداز ہوگی۔ موسم گرما میں عرض البلد کے بڑھنے کے ساتھ طلوع آفتاب جلد اور غروب آفتاب دیر میں ہوتا ہے اور موسم سرما میں صورتِ حال اس کے برعکس ہوتی ہے، یعنی عرض البلد کے بڑھنے پر طلوع آفتاب دیر میں اور غروب جلد ہوتا ہے۔ موجودہ بحث میں چونکہ ہمیں رویتِ ہلال سے سروکار ہے اس لیے صرف غروب آفتاب کے اوقات پر حور کرنا کافی ہوگا۔ اس نوٹ پر یہ رعایت بھی پیش نظر رہنی چاہیے کہ مختلف عرض البلدوں پر غروب آفتاب کے اوقات میں، فی درجہ عرض البلد فرق کی شرح، مختلف مہسوں میں مختلف ہوتی ہے یعنی یہ فرق گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ جاڑوں اور گرمیوں میں یہ فرق زیادہ ہوتا ہے اور درمیانی مہسوں میں بہت کم ہوتا ہے، چنانچہ بعض تاریخیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جن میں عرض البلد کے چند درجوں کا فرق طلوع و غروب پر اثر انداز نہیں ہوتا یا بہت کم اثر انداز ہوتا ہے۔ یہ تاریخیں مارچ اور ستمبر کی ۲۱، ۲۲ کے آس پاس ہوتی ہیں۔ عرض البلد کی تبدیلی سے غروب آفتاب کے اوقات میں فرق کا یہ پہلو قابلِ غور ہے کہ عرض البلد کے وہ درجات جو خطِ استوا سے زیادہ دُور ہیں مثلاً ۵۵ تا ۶۰ درجے عرض البلد شمالی یا جنوبی، وہاں نسبتاً قریب کے درجات مثلاً ۲۵ تا ۳۰ درجے عرض البلد شمالی یا جنوبی کے مقابلے میں غروب آفتاب کے وقت کے درمیان فی درجہ فرق زیادہ تیزی سے بڑھتا ہے۔ مثال کے طور پر جاڑوں میں ۲۰ دسمبر کے آس پاس، ۲۵ درجے عرض البلد شمالی دجو کراچی کا عرض البلد ہے، اور ۳۰ درجے عرض البلد شمالی دجو تقریباً کوئٹہ کا عرض البلد ہے، کے درمیان غروب آفتاب میں فرق ۱۰، ۱۱ منٹ کا ہوتا ہے یعنی کوئٹہ میں غروب آفتاب ۱۰، ۱۱ منٹ جلد ہو جاتا ہے۔ واضح ہو کہ کراچی اور کوئٹہ ایک ہی طول البلد پر واقع ہیں۔ اسی طرح گرمیوں میں، مئی اور جولائی کی ۲۲ تاریخ کے آس پاس، کراچی کے مقابلے میں کوئٹہ پر غروب ۱۰ منٹ دیر میں ہوتا ہے لیکن اس کے بالمقابل ۵۵ اور ۶۰ درجے عرض البلد کے درمیان جاڑوں میں ۲۰ دسمبر کے آس پاس، غروب آفتاب کے وقت میں تقریباً ۴۰ منٹ کا فرق ہوتا ہے یعنی ۵۵ درجے کے مقابلے میں ۶۰ درجے عرض البلد پر غروب آفتاب ۴۰ منٹ پہلے ہو جاتا ہے اور گرمیوں

میں، مئی اور جولائی کی ۲۲ تاریخ کے آس پاس، ۵۵ درجے کے مقابلے میں ۶۰ درجے عرض البلد پر غروب ۳۶ منٹ دیر سے ہوتا ہے۔ مارچ اور ستمبر کی ۲۲، ۲۱ تاریخ کے آس پاس ۲۵ اور ۳۰ درجے عرض البلد کے درمیان غروب آفتاب میں وقت کا کوئی فرق نہیں ہوتا جبکہ ۵۵ اور ۶۰ درجے کے درمیان غروب آفتاب کے وقت میں فرق صرف ۳ منٹ کا ہوتا ہے۔ ان تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ کسی شام کو میلِ قمری کا درجہ بھی پیش نظر رکھنا ہو گا تاکہ اسی کے مطابق ہلال کے غروب کے وقت تک رویت کے امکان کا حساب یا اندازہ لگایا جاسکے۔

عرض البلد کی تبدیلی، غروبِ آفتاب کے اوقات میں مذکورہ بالا فرق کے علاوہ، میلِ قمری کے نقطہ نظر سے اُس وقت نمایاں طور پر اثر انداز ہوگی جب میلِ قمری مخالف سمت میں ہو، یعنی نصف کرہ جنوبی کے لیے میلِ قمری شمالی یا نصف کرہ شمالی کے لیے میلِ قمری جنوبی ہو۔ میلِ سیارگان (PLANETARY DECLINATIONS) کے درجات، زمین کے مماثل عرض البلد کے درجات سے سمت الراس پر واقع ہوتے ہیں۔ اس طرح کسی تقویم فلکی کے اندراجات کو دیکھ کر یہ معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کسی شام کو میلِ قمری زمینی عرض البلد کے کن درجات کے لیے زیادہ سازگار ہے اور کن سے مقامات رویتِ ہلال کے نسبتہ کم امکانات رکھتے ہیں۔

عرض البلد کے فرق سے مختلف موسموں میں جھٹ پٹے کی روشنی کا دوران بھی کم و بیش ہوتا رہتا ہے جو رویتِ ہلال پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ یہاں رویتِ ہلال کی بنیادی سائنسی شرط کی وضاحت ضروری ہے، اور وہ یہ ہے کہ کسی شام کو نیا چاند اس وقت نظر آئے گا جب اس کی چمک جھٹ پٹے کی روشنی سے بڑھ جائے، کیونکہ کسی روشن پس منظر پر دُور کی کوئی چمکدار چیز اسی وقت نظر آئے گی جب اس کی چمک اپنے پس منظر کی روشنی سے بڑھ جائے۔ اسی چیز کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ جب تک ہلال کے پس منظر کا افق، جھٹ پٹے کی روشنی کی بنا پر نئے چاند سے زیادہ روشن ہوگا اس وقت تک نیا چاند نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے افق کی روشنی کا اتنا مدغم بڑھانا ضروری ہے کہ ہلال کی چمک نمایاں ہو سکے۔ چنانچہ رویتِ ہلال کے لیے محض یہ دلیل کافی نہیں ہے کہ اگر کسی شام کو نیا چاند غروب

آفتاب کے بعد اُفق سے کچھ اُدنیچا ہو تو اسے لازماً نظر آنا چاہیے۔

جھٹ پٹے کی روشنی کو سائنسی طور پر تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ روشنی اُس وقت تک باقی رہتی ہے جب تک آفتاب اُفق سے عموداً ۱۸ درجے نیچے نہ چلا جائے۔ اور عرض البلد کے اختلاف سے مختلف موسموں میں آفتاب کو اُفق سے عموداً ۱۸ درجے نیچے پہنچنے کے لیے مختلف اوقات درکار ہوتے ہیں۔ چنانچہ مختلف عرض البلدوں پر جھٹ پٹے کی روشنی کی مدت میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ خط استوا پر جھٹ پٹے کا مجموعی دوران ۲ منٹ (تقریباً ۱۱۰ گھنٹہ) ہوتا ہے، کیونکہ وہاں آفتاب عمودی طور پر غروب ہوتا ہے اور زمین کی محوری حرکت جو ۴ منٹ فی درجہ (طول البلد) ہوتی ہے اس کی بنا پر آفتاب کو اُفق سے ۱۸ درجے نیچے جانے میں $۱۸ \times ۴ = ۷۲$ منٹ لگتے ہیں۔ لیکن بڑھے ہوئے شمالی یا جنوبی عرض البلدوں پر، خصوصاً موسم گرما میں، آفتاب کے اُفق سے نیچے جانے کا خط ترچھا ہوتا ہے، چنانچہ اسے اُفق سے عموداً ۱۸ درجے نیچے ہونے میں زیادہ دیر لگتی ہے۔ اس سبب سے ان مقامات پر جھٹ پٹے کی روشنی زیادہ دیر تک رہتی ہے جس کا دوران عرض البلد کے درجات پر منحصر ہوتا ہے۔

جھٹ پٹے کی مجموعی روشنی کی تقسیم حسب ذیل ہے: اس کا پہلا حصہ وہ ہے جو آفتاب کے اُفق سے عموداً ۶ درجے نیچے پہنچنے تک باقی رہتا ہے۔ اسے انگریزی اصطلاح میں (CIVIL TWILIGHT) کہتے ہیں اور یہ مسکھ طور پر اتنی تیز ہوتی ہے کہ اگر ہلال اور آفتاب کے درمیان ۶ درجے یا اس سے کم کا فرق ہو تو چاند کے دکھائی دینے کا کوئی سوال ہی نہیں ہوتا۔ جھٹ پٹے کی روشنی کا دوسرا حصہ وہ ہوتا ہے جب آفتاب اُفق کے نیچے عموداً ۱۲ درجے سے ۱۲ درجے تک کے فاصل پر ہو، اسے اصطلاح میں (NAUTICAL TWILIGHT) یا بحری جھٹ پٹے کی روشنی کہتے ہیں کیونکہ یہ کھلے سمندروں پر ہی ملحوظ رکھی جاتی ہے۔ جھٹ پٹے کی روشنی کا آخری حصہ وہ ہوتا ہے جب آفتاب، اُفق سے عموداً ۱۲ درجے سے ۱۸ درجے تک کے فاصل پر ہو۔ چونکہ اس روشنی کا دوران مختلف موسموں میں، عرض البلد کے اختلاف کی بنا پر کم و بیش ہوتا رہتا ہے اس لیے ایک ہی طول البلد میں مختلف عرض البلد والے مقامات پر رویتِ ہلال اس روشنی سے مختلف طور پر متاثر ہوگی۔

سوال ۱۵۔ کیا چند صوبوں رات کا چاند ہمیشہ غروب آفتاب کے بعد اُفق پر طلوع ہوتا ہے یا کبھی

اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے ؟

جواب - پندرہویں رات کا چاند غروبِ آفتاب کے بعد اُفق پر طلوع ہوگا۔ اس کے خلاف اس لیے نہیں ہوتا کہ چاند اس شکل میں جسے اصطلاحاً ماہِ کامل (FULL MOON) کہتے ہیں، رودیت کے حساب سے عموماً چودھویں رات میں کسی وقت دکھائی دیتا ہے۔ منگلیاتی طور پر ماہِ کامل اُس وقت ہوتا ہے جب آفتاب اور چاند کے درمیان منطقۃ البروج (ZODIAC) کے ٹھیک ۱۸۰ درجے کا فرق ہو، یعنی آفتاب کی نسبت سے چاند آسمان پر بالکل مخالف سمت میں ہو۔ یہاں یہ بات ذہنی میں رکھنے کے قابل ہے کہ ہر مقام کے لیے رودیت کے حساب سے ماہِ کامل کا چودھویں رات کے دوران واقع ہونا ضروری نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ جس وقت ماہِ کامل ہوگا اس وقت بعض مقامات پر چاند کی ۱۳ تاریخ اور بعض دوسرے مقامات پر ۴ تاریخ کو دن کے مختلف اوقات ہوں گے۔ تاہم ۴ تاریخ گزر کر غروبِ آفتاب کے وقت تک چاند منطقۃ البروج پر آفتاب کے بالمقابل باقی نہیں رہتا بلکہ کچھ آگے بڑھ جاتا ہے اس لیے اُسے غروبِ آفتاب کے بعد ہی طلوع ہونا چاہیے۔

سوال ۱۶۔ علمِ ہیئت کے حسابوں میں غلطی کے امکانات کس حد تک ہیں ؟

جواب - علمِ ہیئت کے حسابوں میں غلطی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہیں لیکن رودیتِ ہلال کا مسئلہ صرف علمِ ہیئت کے حساب پر منحصر نہیں بلکہ اس میں موسمی حالات اور فضائی کیفیات کا بھی بڑا دخل ہوتا ہے اور اس وجہ سے اس میں غیر یقینیت کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے۔

مزید توضیحات

رودیتِ ہلال اور اس کے مطابقی عمل در آمد کا مسئلہ آج کل زیادہ پیچیدہ اس لیے معلوم ہو رہا ہے کہ اسے غیر ضروری طور پر الجھا دیا گیا ہے اور اس مسئلے پر علمی اور سائنسی نقطہ نظر سے غور کر کے اسے حل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ اس بارے میں سائنسی طور پر ٹھوس تجاویز پیش کی جاسکتی ہیں اور ان میں سے بعض مبادی یا توں پر عمل کر کے یہ انتشار دور کیا جاسکتا ہے۔

اس سوال نامہ کا جواب دیتے ہوئے میں نے سوال ۱۵ کے جواب میں دینِ فطرت کے احکام کے مابعد الطبیعیاتی پہلو کی طرف جو اشارہ کیا ہے اس کی متعدد مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہ خصوصیات تمام آسمانی

احکام میں نمایاں ہیں جن میں وہ احکام بھی شامل ہیں جو حضرت خاتم النبیین سے پہلے، دوسرے پیغمبروں کے ذریعے بنی نوع انسان تک پہنچائے گئے۔ مختلف اُمتوں کے لیے ہفتے کے مختلف دنوں کا عبادات یا دوسرے اعمال کے لیے مخصوص کیا جانا اس کی ایک واضح مثال ہے۔ حضرت موسیٰ کی اُمت کے لیے ہفتے کے دنوں میں سینچر کی اہمیت اور مسلمانوں کے لیے جمعے کی اہمیت سے سب واقف ہیں۔ ویسے تو سب دن بظاہر ایک طرح کے ہیں لیکن جمعے کی فضیلت جو مذہباً مسلم ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ دن اُمتِ مُسلمہ کے لیے دوسرے دنوں کے مقابلے میں کوئی خاص اہمیت یا خصوصیت رکھتا ہے اور یہ ایک مابعد الطبیعیاتی چیز ہے۔ اسی طرح مہینوں اور قمری مہینوں کی بعض تاریخوں کا چند خاص مابعد الطبیعیاتی امور سے منسلق ہونا مذکورہ بالا دعوے کا ایک اور ثبوت ہے۔ ماہِ رمضان کو قرآن مجید سے ایک خصوصی مناسبت اس مہینے کی مابعد الطبیعیاتی خصوصیات ہی کی بنا پر ہے۔ اسی مہینے کی ایک رات میں جو شب قدر کہلاتی ہے، قرآن حکیم لوح محفوظ سے آسمانِ اول پر ایک وقت نازل ہوا جہاں سے رفتہ رفتہ حسب ضرورت وحی کی شکل میں سرورِ کائنات تک پہنچا۔ اسی بنا پر شب قدر کا اپنی فضیلت میں نزار مہینوں سے بہتر ہونا اس شب کی مابعد الطبیعیاتی خصوصیات کو ظاہر کرتا ہے ورنہ بظاہر تو وہ بھی عام راتوں کی طرح ہی ایک رات ہے۔ پھر اس شب کا ماہِ رمضان میں واقع ہونا دوسرے مہینوں پر اس ماہ کی فضیلت کا ثبوت ہے۔ اسی طرح باقی اہمیتوں کے منجملہ چار مہینوں یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کا اہمیت پر حرم قرار دیا جانا ان مہینوں کی مابعد الطبیعیاتی خصوصیات کی بنا پر ہے۔ اس ضمن میں سورہ توبہ دہلے، کی ۳۶ ویں اور ۳۷ ویں آیات پر نظر ڈالی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قدرت کے نزدیک عبارات کے لیے جن بارہ مہینوں کا حساب ہے وہ قمری مہینے ہیں اور یہ کہ قدرت کے مقرر کردہ حساب میں تغیر و تبدل کرنا دجیبا کہ مشرکین عرب کیا کرتے تھے، خدا کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ چیز ہے۔ اس کے ساتھ ہی قمری مہینوں کا آغاز رویتِ ہلال سے ہونا فطرت کا ایک معیار ہے اور فطرت کے اس معیار کی بنیادوں پر بعض تاریخوں یا خصوصی دنوں اور راتوں کا تعین ہوتا ہے۔ شبِ برات جو رویتِ ہلال کے حساب سے ماہِ شعبان کی پندرھویں شب ہوتی ہے، انتظامِ قضا و قدر میں بڑی اہمیت رکھتی ہے کیونکہ اس رات کو، اگلے ایک سال کے واسطے روٹے زمین کے تمام انسانوں کے مقدرات کے مطابق

احکام جاری ہونے میں حتیٰ کہ اس سال کے دوران پیدا ہونے والے بچوں کے لیے بھی رزق اور دوسرے مقدرات کے تعین کے مطابق انتظام اسی رات کو ہو جاتا ہے۔ ان مثالوں سے معلوم ہوا کہ کارخانہ قدرت میں بعض جہینے، اور بعض مہینوں کے چند خاص دن یا راتیں اپنی خصوصیات اور اہمیت رکھتی ہیں۔ ایسی ہی اہمیت ذی الحجہ کی نوین تاریخ کو حاصل ہے جو حج کا دن ہے اور جس کا تعین قدرت کے معیار کے مطابق رویتِ ہلال کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ اس کی صاف صاف وضاحت سورہ بقرہ کی اُس آیت میں موجود ہے جس کا حوالہ سوال ۷ کے جواب میں دیا گیا ہے اور جس میں ہلالوں کو حج کے لیے وقت کی ایک نشانی قرار دیا گیا ہے۔ قمری مہینوں کا آغاز رویتِ ہلال سے کرنے کے اسٹول پر قرآن حکیم نے مذکورہ آیت کے ذریعے مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ منازلِ قمر یعنی چاند کی مختلف نوبتوں کو وقت کے حساب و شمار کی بنیاد بنانے کی طرف قرآن مجید میں دوسری جگہ بھی اشارے ہیں۔ سورہ یونس (دپل) کی چھٹی آیت ہے: هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسُ ضِيَاءً وَالْقَمَرَ نُورًا وَقَدَرَهُ مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالْحِسَابِ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ”وہی ذات باری ہے جس نے بنایا آفتاب کو روشنی (کا ذریعہ) اور چاند کو ایک نور، اور مقرر کیا اس کے لیے منزلیں تاکہ تم واقف ہو سکو برسوں کے شمار سے اور تاریخوں کے حساب سے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بے مقصد و بے فائدہ نہیں بنایا۔ وہ واضح کرتا ہے اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ والے ہیں۔“ منازلِ قمر کی طرف سورہ یونس کی ۳۹ ویں آیت میں بھی اشارہ ہے۔ وَالْقَمَرَ قَدَرْنَاهُ مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَالْعُرْجُونِ الْقَدِيمِ ”اور مقرر کیا ہم نے چاند کے لیے منزلیں یہاں تک کہ وہ لوٹتا ہے (کھجور کی) پُرانی ٹہنی کی (مخنی) شکل میں“ جس سے ہلال کی شکل کی طرف اشارہ ہے۔ غرض جب کارخانہ قدرت میں حساب و عبادات کے لیے قمری مہینوں کا ہے اور ان مہینوں کے آغاز و اختتام کی بنیاد ہلال ہے جو منازلِ قمر یعنی چاند کی مختلف نوبتوں میں سے ایک نوبت ہے دیکھیں کہ چاند ہر ماہ کے آخر میں غائب رہنے سے پہلے بھی ہلال کی شکل اختیار کر لیتا ہے گو وہ اُس وقت طلوعِ آفتاب سے پہلے مشرق میں دکھائی دیتا ہے، تو آغازِ ماہ کے تعین کے لیے اُس منزلِ قمر سے زیادہ اور کوئی بیہمی اور قدرتی نوبت ہو سکتی ہے جب کہ قمر پہلی منزل

غروبِ آفتاب کے بعد ہلال کی شکل میں دکھائی دے جو اسے خاص و عام کے دیکھنے کا وقت ہوتا ہے۔ یہ قدرتی پیمانہ آنا ساڑھ اور بڑی ہے کہ انتہائی دور افتادہ دیہات میں بھی ہر کس و ناکس اس سے واقف ہوتا ہے اور اس کے مطابق بہ آسانی عمل کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر فلکیاتی نئے پیمانہ کو آغاز ماہ کا معیار قرار دیا جائے تو ان مشکلات کے علاوہ جن کا ذکر سوال ۱۱ کے جواب میں کیا گیا ہے، مسلم ملکوں کی ایک ذمہ داری یہ بھی ہو جائے گی کہ وہ سائنسی حساب کی مدد سے فلکیاتی نئے پیمانہ کی بنیاد پر متعین کی جانے والی تاریخوں سے اپنے اپنے ملکوں کے گوشے گوشے میں عوام کو مطلع کریں۔

یہاں ضمناً اس بات کی وضاحت مناسب ہوگی کہ مہینوں اور ان کے آغاز و اختتام کی قمری بنیاد عبادات کے لیے ہے۔ اس ضمن میں ماہِ رمضان اور روزوں کی مثال بہ طور خاص توجہ طلب ہے۔ اگر ایسے مذہبی امور کے لیے بنیاد قمری مہینے نہ ہوتے تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ دنیا کے بعض علاقوں میں رمضان کے روزے ہمیشہ سخت موسم اور تکلیف دہ حالات میں رکھے جاتے اور بعض علاقوں کے لوگوں کے لیے وہ ہمیشہ آسان رہتے۔ یہ بات تربیت کی اس روح کے منافی ہے جو دینِ فطرت اپنے پیروں کو دنیا چاہتا ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ اس کے پیروں کو سال کے مختلف موسموں میں دن بھر بھوکے پیاسے رہ کر اپنے روزمرہ کے کام، جن میں محنت و مشقت کے کام بھی ہو سکتے ہیں، سرانجام دینے کی تربیت حاصل ہو۔ اگر ماہِ رمضان کا انحصار شمسی حساب پر ہوتا تو یہ مقصد حاصل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے بالمقابل مہینوں کی قمری بنیاد کی صورت میں ۳۲، ۳۲ سال کے ایک دور میں ہر مہینہ سال کے مختلف موسموں کا ایک دورہ مکمل کر لیتا ہے اور مذکورہ بالا مقصد حاصل ہو جاتا ہے۔ عبادات سے بھٹ کر دنیاوی نظم و نسق کے لیے شمسی حساب ٹھیک ہے کیونکہ ملکوں کے محاصل کا دار و مدار عموماً فصلوں وغیرہ پر ہوتا ہے۔ چونکہ موسموں کی تبدیلی آفتاب پر منحصر ہے اور یہ بھی قدرت ہی کا ایک حساب اور نظام ہے، جو مادی امور سے متعلق ہے اس لیے دنیاوی نظم و نسق سے متعلق اسی کو اختیار کیا جانا چاہیے۔ قمری حساب مذہبی اور ماورائے مادی امور کے لیے ہے۔

مختصر یہ کہ سال کے بعض مہینوں اور ان مہینوں کی بعض خاص خاص تاریخوں، دنوں یا راتوں کے

تعیین، یا ہفتے کے بعض خصوصی دنوں کے تعین کی مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ یہ دن یا ہفتے بعض امور سے متعلق کچھ ماورائے مادی خصوصیات رکھتے ہیں۔ بالکل اسی طرح احکام قرآنی کے تحت قمری مہینوں کا نئے دیکھے جانے والے پاندے سے آغاز بھی اپنی جگہ مابعد الطبیعیاتی معنویت رکھتا ہے اور ایسے آغاز کی رو سے بعض عبادات کے لیے مقرر کی جانے والی تاریخیں لازماً ماورائے مادی حکمتیں اور خصوصیات رکھتی ہیں۔ تب ہی تو مثلاً حج کے لیے ذی الحجہ کی نوین تاریخ کا تعین کر دیا گیا جو علم الہی میں یقیناً اپنی خاص برکات رکھتی ہے۔ ان حقائق کے پیش نظر اس امر پر غور کیجیے کہ اگر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی تاریخ سے ایک یا دو دن پیشتر ہی حج کر لیا تو کیا اس اجتماع کو وہ برکات حاصل ہو سکتی ہیں جو علم الہی میں ایک مقررہ تاریخ کے تحت اُسے حاصل ہوں گی۔ اس کی مثال کچھ ایسی ہوگی جیسے ہم کسی ہفتے میں جمعرات کو اور کسی ہفتے میں بدھ کے دن کو جمعہ قرار دے لیں اور اس دن نذر کے وقت دو کعتیں ادا کر کے یہ سمجھ لیں کہ جمعے کا فرض بھی ہمارے ذمے سے ساظ ہو گیا اور نماز جمعہ کا ثواب بھی ہمیں مل گیا! یا شعبان کی پندرہویں شب کی بجائے چودھویں یا تیرہویں رات کو شبِ برات سے متعلق عبادات نافذ انجام دیں یہیں واضح طور پر یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے ان اعمال سے کارخانہ قضا و قدر کے انتظامات نہیں بدل سکتے، بلکہ اگر ہم اپنی عبادتوں کو غلط تاریخوں یا دنوں میں انجام دیتے ہیں تو یہ عبادتیں اُن نوائے سے محروم رہتی ہیں جو انہیں احکام الہی کے مطابقی صحیح وقت پر انجام دینے سے حاصل ہو سکتے ہیں۔ رمضان کے روزوں کا بھی بیشتر ملکوں میں یہی حال ہو رہا ہے کہ یہ متبرک مہینہ فطرت کے مقرر کیے ہوئے معیاروں سے عموماً ایک دو دن پہلے ہی شروع کر دیا جاتا ہے اور ایک دو روز پہلے ختم بھی ہو جاتا ہے۔ اس طرح دنیا کے مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ہر سال دو ایک ایسے روزے رکھتی ہے جو فرض نہیں ہیں اور ان کے بدلے دو ایک فرض روزے چھوٹ جاتے ہیں۔ اس سنگین صورت حال سے متعلق ایک قوی شبہ یہ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ محض اتفاقاً نہیں ہو رہا ہے بلکہ یہ ایک ایسی سوچی سمجھی اور گہری سازش کا نتیجہ ہے جس کا ہدف سارا عالم اسلام ہے۔ دشمنان اسلام اس دین کے حقائق، ان حقائق کی صداقتوں اور ان کے اثرات سے بخوبی واقف ہیں، چنانچہ آج کل ان کی تمام تر کوششیں اس طرف مرکوز ہیں کہ مسلمان نہ صرف ان حقائق سے ناواقف رہیں بلکہ انہیں ان سے منحرف بھی کر دیا جائے

اور ان کی موجودہ لاعلمی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے انہیں مگر اسی کے مختلف راستوں پر ڈالا جائے۔ از انجملہ ایک اہم چیز یہ بھی ہو سکتی ہے کہ عالم اسلام کے اُس عظیم سالانہ اجتماع کو، جسے حج کہتے ہیں، غلط تاریخوں پر ڈال کر اُسے ایک جسدِ بے جان بنا دیا جائے تاکہ برکات اور قبولیتِ دُعا کا یہ عظیم موقع، خدا کے مقرر کردہ حساب سے ہٹ جانے کی بنا پر اپنی ما بعد الطبیعیاتی افادیت کھو بیٹھے اور اس کے وہ حقیقی اثرات مترتب نہ ہوں جو صحیح تاریخ پر انجام دینے جانے کی شکل میں ہو سکتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام کی جانب سے اس قسم کی رخنہ اندازیوں کے قرآنِ اس زمانے میں بہت قوی ہیں۔ اب غور کر لیا جائے کہ ان حالات میں اسلامی ملکوں کی حکومتوں اور خصوصاً علمائے کرام پر صورتِ حال کی اصلاح کرنے کی کس قدر عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کیا تعجب ہے کہ اپنی اہم ترین عبادتوں سے ایسی لاپرواہی، ان کی صحیح تاریخوں کے تعین کے اصول اور ان کی روح سے ایسی ناقابلِ یقین لاعلمی اور انہیں اتنا ہلکا سمجھنا ہماری موجودہ محرومیوں اور ناکامیوں کے اسباب میں سے ایک سبب ہو۔

لمعاتِ زندان

اُن خطوط کا مجموعہ جو امیر جماعت اسلامی ڈھاکہ
خرم جاہ مراد نے جنوری ۱۹۶۳ء میں گرفتار ہونے کے
بعد ڈھاکہ سنٹرل جیل سے اپنی رفیقہ حیات
کے نام لکھے۔

• ابتلاؤں و آزمائشوں سے گزرتے ہوئے ایک مومن کی ذہنی و قلبی
کیفیات کا عکس۔

• علمی حالات میں قرآنی سرچشمہ ایمان سے اکتسابِ ہدایت

قیمت: ۱/۷۵

ختم جاہ مراد

لمعاتِ النور

ادارہ مطبوعات طلبہ ۶۶۶. م. سید چک۔ کراچی